Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

Faiz Ahmad Faiz's Sense of criticism regarding Urdu Novel

فیض احمد فیض کا حاسۂ انتقاد اردو ناول کے حوالے سے

Naveed Akhtar
Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology, Peshawar

Dr Muhammad Imtiaz
Associate Professor, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology, Peshawar

Abstract

Faiz Ahmad Faiz's greatness as a poet is unparalleled. Faiz shone like a bright star on the horizon of Urdu poetry at the beginning of the twentieth century. He respected Urdu poetry's traditions on an aesthetic level. Besides poetry, criticism was another aspect of his personality. Although Faiz was primarily a poet, criticism was not his forte. However, he occasionally wrote critical essays. Due to his poetic qualities, his critical efforts were often overshadowed. As a renowned poet, he couldn't achieve the same stature as a critic, but his critical ideas cannot be ignored. Meezan, a collection of Faiz's critical articles, was first published in 1960. It comprises 31 articles, divided into four parts. Some articles are theoretical, while others address literary issues or the art of writers and poets. The articles were written over nearly a quarter of a century, from 1937 to 1961. Faiz also explored novel criticism, with four articles in the third part focusing on Urdu novels. One article discusses the development of the Urdu novel, while the other three analyze novels by Ratan Nath Sarsar, Abdul Halim Sharar, and Prem Chand. Faiz's essay on Urdu is a seminal work, providing a concise commentary on the evolution of the Urdu novel. Despite their brevity, these essays demonstrate Faiz's critical vision. His criticism is characterized by clear, lively, and sharp prose, facilitating understanding. Considering Meezan's articles, Faiz may not be considered a prominent critic, but the importance of his critical consciousness cannot be denied.

Keywords: Carry Catcher, Self-Consciousness, Villain, Typically, Tolstoy, Dostoevsky

اوائلِ بیسویں صدی میں اردو تنقیدی دبستان مختلف نظریات اور تصورات کے اصول وضوابط پر گامزن تھی۔ ان میں سے کچھ ناقدینِ ادب ایسے تھے جو مشرقی تنقیدی اصولوں کو وضع کرنے میں جتے ہوئے تھے۔ ان کا طرزِ نقد صرف الفاظ کی بندش، فنی اصولوں کی حتی الامکان پاسداری اور فصیح و بلیغ آراء پر منتج تھا۔ اسی گروہ

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

کے ساتھ نقادوں کا ایک گروہ بھی تھا جو جمالیاتی احساسات کے اظہار کو ہی فن کی بنیاد قرار دیتا تھا۔ ان دونوں طرزِ اظہار میں معائب کا در آنا لازمی تھا۔ جب مغربی ادب سے واقفیت بڑھتی گئی تو نقادوں نے مغربی تنقیدی اصولوں سے لیس ہو کر تنقید کی عمارت کو مضبوط بنانے کی سعی شروع کی۔ اس طرزِ عمل سے ان کے قوتِ عمل میں نکھار آتا گیا۔ یہ صرف تقلید کی روش نہ تھی کہ مغربی ادب اور تنقید سے استفادہ کر لیا جائے بلکہ اس سے فن میں مقصدیت، افادیت اور اہمیت پر بھی توجہ دی جانے لگی۔

اردو کی جدید تنقید نئے نئے اختراعات ہو رہے ہیں۔ جدید تنقید میں مواد، ہیئت، موضوع اور طرزِ ادا کے سلسلے میں اختلاف کو کافی اہمیت دی جا رہی ہے۔ نقادوں کا ایک گروہ مواد یا موضوع کو اہمیت دیتا ہے۔ دوسرا طرزِ ادا کو ضروری اور اہم سمجھتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر ایک اعتدالی انداز زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرنا محال ہو۔

ایک نقاد کی حیثیت سے فیض احمد فیضؔ نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اسے بطورِ ایک شاعر کے ملا ہے۔ لیکن ان تنقیدی مضامین کے مطالعے سے یہ بات بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے تنقید میں انھوں نے افہام و تفہیم کا ایک واضح نقطۂ نظر اپنایا اور نظریاتی اور عملی حیثیتوں سے شعر و ادب کے تجزیے میں مخصوص رجحان پیش کیا۔ ان تنقیدی مضامین کے پڑھنے سے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ اگر انھوں باضابطہ طور پر اس شعبے کی طرف پوری دل جمعی سے توجہ دی ہوتی تو اس شمار اردو کے صفِ اول نقادوں میں ہوتا۔ فیض کے تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ ''میزان'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا ہے۔ یہ وہ مضامین ہیں جو سے مختلف اوقات میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے نظریۂ فن کی وضاحت اور مختلف موضوعات پر ناقدانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فیض کی تنقید نگاری کے متعلق ڈاکٹر سلیم اختر (۱۹۳۴ء۔۲۰۱۸ء) لکھتے ہیں:

''فیض صاحب پیشہ ور نقاد نہ تھے، لیکن ایک صاحبِ فہم دانش ور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ زندگی، تاریخ، عصر اور ادب کے بارے میں مخصوص تصورات کے حامل بھی تھے۔ یہ تھے زندگی اور ادب کے بارے میں ترقی پسند تصورات۔ ان تصورات نے جہاں تخلیقی سطح پر ان کی شاعری میں اظہار پایا وہاں ان کے تنقیدی مقالات میں منطقی استدلال کے لیے اساس بھی مہیا کی۔ یوں دیکھیں تو فیض کی شاعری اور تنقید ان کی تخلیقی شخصیت کے سکے کے دو رخ ہیں۔''[1]

فیض کی عملی تنقید کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے کسی منزل پر اپنے نظریات سے انحراف گوارا نہیں کیا۔ نظریاتی اعتبار سے فیض ترقی پسند ادب کے بہت بڑے نمائندے مانے جاتے ہیں۔ وہ صرف ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں تھے بلکہ بنیادی طور پر وہ ان ہی عقائد کے قائل تھے جو ادب اور زندگی

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

کے رشتوں کو ایک دوسرے کے قریب سمجھتے ہیں۔ سماجی حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ ادب کو ایک ایسا ذریعہ سمجھتے ہیں جس میں زندگی کی ہو بہو تصویر کشی کی گئی ہو۔

ہمارے ادب میں فیض کو بطور ایک رجحان ساز شاعر کے جانا جاتا ہے۔ فیض جیسے عبقری شخصیت کے حامل لوگ ایک چیز پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ ان کی سیمابی طبیعت ان کو ہر میدان میں طبع آزمائی پر اکساتی ہے۔ فیض کی شاعری کے ساتھ ان کی نثری تخلیقات بھی لائق صد توجہ ہیں۔ انھوں نے مختلف اصنافِ ادب کے اصول ولوازم متعین کرنے کے ساتھ کچھ دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ انھوں نے میزان کی صورت میں تنقیدی مضامین کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی اہمیت اور افادیت سے مجالِ انکار نہیں۔

دراصل ہمارے اردو ادب کا یہ المیہ رہا ہے کہ جب کوئی ادیب یا شاعر کسی ایک صنف میں پذیرائی مل جائے تو دوسری اصناف میں انھوں چاہے کتنا ہی معتبر کام کیوں نہیں کیا ہو وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ جیسے میراجی (۱۹۱۲ء۔۱۹۴۹ء) جسے اردو میں جدید شاعر کا امام سمجھا جاتا ہے مگر ان کی تنقیدی بصیرت خاص کر جدید نظم کی صورت میں پس منظر میں چلی گئی ہے۔ اسی طرح عرش صدیقی (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۷ء) کو آج تک لوگ ایک شاعر کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک اچھے افسانہ گار اور نقاد بھی تھے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہی حال فیض کا بھی ہے۔ ان کی فکر انگیز شاعری کی خیرہ کن روشنی نے انی کی نثر کو ابھرنے ہی نہیں دیا۔ دوسری طرف محققین اور ناقدینِ ادب بھی فیض کی مسحور کن شاعری میں ایسے گرفتار ہوئے کہ انھوں نے فیض کی تنقید پر لب کشائی کا خیال تک ہی نہیں آیا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ فیض ایک بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ایک مستند نقاد بھی ہیں۔ انھوں دیباچوں، مقدموں اور تقریظوں کے علاوہ اعلیٰ پایے کے تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔ فیض اسلوب شاعری کی طرح نثر میں بھی بہت ہی دل کش اور فکر انگیز ہے۔ ان کی تنقید میں تعصب، جانب داری اور جارحانہ انداز بالکل نہیں ہے۔ انھوں نے سادہ عام فہم اور دل کش انداز میں اپنی تنقیدی بصیرت کا اظہار کیا ہے۔ فیض کی نثر خصوصاً ان کے مختلف موضوعات پر تنقیدی اصول و نظریات جو ''میزان'' کی صورت میں مجتمع کیے گئے ہیں، خاصے کی چیز ہے۔ ان مضامین کا زمانہ تحریر ۱۹۳۶ء سے تک کا ہے۔ کیوں کہ یہ وہ زمانہ تھا جب ترقی پسند تحریک کافی زوروں پر تھی۔

فکشن کے متعلق فیض کے تین بصیرت افروز مضامین ''اردو ناول''، ''رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری''، ''شرر'' اور ایک ریڈیائی مصاحبہ بہ عنوان ''پریم چند'' تنقید کے اصولوں سے مزین ہیں۔ اردو کی روایتی تنقید قطعِ نظر جو تعصب، جانب داری اور بے جا تعریف و تحسین سے اٹا پڑا ہے۔

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

اردو ناول کی تنقید جو ابتدا ہی سے ایسے نقادوں کے ہاتھوں پلی بڑھی جنھوں نے بے جا تعصب اور جانب داری سے کسی کا درجہ گھٹانے اور کسی کا بڑھانے پر اپنا زورِ قلم صرف کیا۔ اس کے مقابلے میں جن تخلیق کاروں نے جس نے اس فن کو پروان چڑھایا۔ انھوں نے نقدِ ناول کا ایسا اثاثہ چھوڑا ہے جو اعتدال اور دیانت داری سے مملو ہے۔ تخلیق کار کی ناقدانہ سوچ ہر قسم کے تعصب اور جانب داری سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتیں دوسرے نقادوں کے تصورات اور نظریات پر صرف نہیں کرتے بلکہ ان کا مطمحِ نظر ایک معتدل اور متوازن رائے پیش کرنا ہوتا ہے۔ اردو فکشن کی اسی تنقیدی روایات کے آثار جو جانب داری اور تعصب سے مبرا ہیں ہمیں مولوی کریم الدین، نذیر احمد، شرر، رسوا اور عبدالغفور شہباز کے تنقیدی دیباچوں، مقدموں اور تقریظوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ فیض کی تنقید بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ان مضامین کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں تنقید اپنے تمام تر فنی اصولوں اور لوازمات کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ ان مضامین سے فیض کی غیر جانب دارانہ اور معتدل تنقیدی بصیرت سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں ایک اچھے نقاد کی تمام تر خصوصیات موجود تھیں۔

اردو ادب میں عرصۂ دراز سے پرانے اور نئے ادب کی بات چلی آرہی ہے۔ پرانے ادب کو رومانی یا خیالی ادب اور جدید ادب کو حقیقت پسند یا واقعیت پسند ادب جیسے دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر شخص نے اپنی بساط کے مطابق ان کی تعریفیں اور حدود مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادب کے ایک عہد یا دور کو رومانی دور کہا گیا تو دوسرے دور کے فکشن کو حقیقت پسندانہ رجحانات کا حامل قرار دیا دے کر کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا گیا۔ اس نقطے پر کسی نے غور ہی نہیں کیا کہ جس عہد کے ادب کو رومانی یا خیالی کہ کر درخورِ اعتنانہ سمجھا گیا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اپنے زمانے کی حقیقت پسندانہ عکاسی کرتا ہو اور جس ادب کو ہم حقیقت پسند ادب سمجھتے ہوں وہ اس خوبی سے عاری ہوں۔ اس ضمن ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"عام طور سے پرانے اور نئے ادب کی حد بندی یوں کی جاتی ہے کہ پرانا ادب رومانی اور خیالی تھا اور نیا ادب واقعیت پسند اور روزمرہ زندگی کی ترجمان ہے لیکن یہ تفریق سطحی ہے۔"[۲]

فیض پرانے اور نئے ناول میں بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نئے اور پرانے ناول میں فرق موضوعاتی نہیں، یعنی کسی فن پارے کو رومانیت سے جوڑنا اور کسی کو حقیقت پسندی یا واقعیت نگاری کے خانے میں رکھنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح یہ فرق و امتیاز لکھنے والے کے طرزِ ادا اور نقطۂ نظر کا بھی نہیں ہے۔ ان باتوں سے قطع نظر اصل تفاوت مضمون اور طرزِ احساس کا ہے۔ فیض کہتا ہے کہ پرانے ناول کا احساس ذرا محدود تھا، جب کہ نئے ناول کا احساس وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔ فیض اس کو واقعیت نگاری نہیں سمجھتے کہ سماج کے کسی مخصوص طبقے یا ایک معمولی سی جماعت کے لوگوں کے مسائل کی تصویر کشی کی جائے۔ بلکہ واقعیت یہ ہے کہ سماج کی

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

مجموعی حیثیت کو صفحۂ قرطاس کی زینت بنایا جائے۔ یہی اصل واقعیت نگاری ہے۔ آغا عبدالحمید کے ساتھ اپنے ایک ریڈیائی ادبی مناظرے "پریم چند" میں اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک ناول نویس زندگی کا ایک کونا دکھا کر بڑا ناول نویس تو بن سکتا ہے مگر حقیقت نگار نہیں۔"۳

فیض اس دعوے کو سرے قبول کرنے کے تیار ہی نہیں کہ جدید دور کے تمام ناول واقعیت نگاری کی صفت سے مملو ہیں اور نہ ہی ابتدائی ناولوں کو غیر حقیقی تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمارے ناقدینِ ادب کا انداز تنقید کچھ حد تک جارحانہ دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اس توجیہ کو بالکل رد کر دیا ہے کہ ابتدائی ناول خیالی واقعات پر مبنی ہیں۔ اس بارے میں ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"ایک خاص نوع کی واقعیت نگاری میں ہم نے ابھی تک نذیر احمد کا جواب پیدا نہیں کیا۔ امراؤ جان ادا سے آج کل سب پڑھے لکھے آشنا ہیں۔ حتیٰ کہ سرشار کے خوابِ پریشاں، فسانۂ آزاد میں بھی روزمرہ زندگی کی بہت سچی تصویریں ملتی ہیں۔"۴

درج بالا اقتباس میں انھوں نے نذیر احمد، سرشار اور رسوا کی ناول نگاری کی خصوصیات میں واقعیت نگاری کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ ان ناول نگاروں نے روزمرہ زندگی کے مرقعے اپنے ناولوں میں کھینچے ہیں۔ فیض کا یہ مضمون ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔ یہ دور تھا جب ترقی پسند تحریک کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں ترقی پسند ناول نگاروں کے اہم ناول منظر عام پر آچکے تھے۔ اردو ناول کی تنقید کے ابتدائی نمونوں میں جس طرح رسوا، پریم چند اور چکبست نے ناول کی تعداد پر انگلی اٹھائی ہے۔ ان خیال میں معیاری ناول کی جگہ غیر معیاری اور سطحی ناول لکھنے پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ فیض بھی ناولوں کی تعداد، ان کے معیار اور پلاٹ کے طریقہ کار سے بالکل مطمئن نہیں تھے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"ہمارے اچھے ناولوں کی تعداد بھی درجن ڈیڑھ درجن سے اوپر نہیں جاتی۔ یوں ناول تو سیکڑوں کیا ہزاروں لکھے گئے ہوں گے جامِ عشق، زہرِ عشق، خونِ عشق۔ عشق کے ساتھ کوئی سی اضافت لگا لیجیے یا خونی کے ساتھ کوئی سا لفظ جوڑ لیجیے۔ خونی ڈاکو، خونی ہیرا، خونی معشوق اس نام کا ایک نہ ایک ناول ضرور آپ کو مل جائے گا۔ لیکن ایسے ناول جسے آپ سنجیدہ کتابوں کی الماری میں رکھ سکیں جیسے میں نے عرض کیا یہی درجن ڈیڑھ درجن ہوں گے۔ اہم اس مختصر پونجی سے بھی چند ایک رجحانات کا پتہ ضرور چلتا ہے۔"۵

انگریزی ناول کی تقلید میں جو غیر معیاری ناول لکھے گئے۔ ان کی طرف رسوا نے "ذات شریف" کے دیباچے اور اپنے "تنقیدی مراسلات" میں واضح طور پر اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اردو انگریزی زبان کے سستے اور غیر معیاری ناولوں کے تراجم نے ناول کے فن کو پنپنے نہیں دیا۔ رسوا نے جس

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ انگریز ناول نگار ''رینالڈس'' کے ناولوں کے اردو تراجم نے اس معاملے کو اور بھی خراب کر دیا۔ پلاٹ کی صورت میں ہمارے ناول نگاروں کو ایک بنا بنایا سانچہ دیا گیا جس میں وہ مقامات اور کرداروں کے نام بدل بدل کر ناول لکھتے جا رہے ہیں۔ ایسے میں ناول نگار ذہنی صلاحیتوں، مشاہدے اور تجربات کو اپنے تخلیقی عمل کا حصہ بنانے کی مشقت سے گلو خلاصی پاتے ہیں۔ فیض نے اس ضمن میں جاسوسی، سماجی اور تاریخی ناولوں میں پائی جانے والی خامیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں ہیئت اور ساخت کے لحاظ سے تو یہ ناول کہے جا سکتے ہیں، لیکن یہ ناول کی فنی اور فکری خصوصیات سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔

اردو ناول کی تنقید میں سب سے زیادہ نذیر احمد پر لکھا گیا ہے۔ جن ناقدینِ ادب نے ناول کے فن اور ارتقا پر باضابطہ کتابیں لکھی ہیں جیسے علی عباس حسینی اور محمد احسن فاروقی، ان کو اور بعد کے ناقدین کو نذیر احمد کے ہاں صرف وعظ، تبلیغ اور تمثیل کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ محمد احسن فاروقی ان کے ناولوں کو ناول ماننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ انھوں نے اسے تمثیل کہا ہے۔ فیض نے بھی نذیر احمد پر قلم اٹھایا ہے مگر انھوں نے جس طرح ان کے مقام اور مرتبے کا تعین کیا ہے۔ وہ دوسرے نقادوں سے الگ اور منفرد ہے۔ انھوں نے نذیر احمد کی کردار نگاری کی ایک ایسی خاصیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو پہلے نقادوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔ اس ضمن میں فیض لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے مولوی نذیر احمد کے اصلاحی ناولوں کی باری آتی ہے۔ ان ناولوں میں مولوی اور آرٹسٹ کی مسلسل ہاتھا پائی ہوتی رہتی ہے اور آرٹسٹ عام طور پر جیت جاتا ہے۔ مولانا کا مقصد عام طور سے کسی مذہبی، اخلاقی یا معاشرتی نکتے کی حمایت کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ناول کے دوران میں وہ اپنے کرداروں میں اتنا کھو جاتے ہیں کہ نکتہ انھیں بھول جاتا ہے اور لمبے لمبے وعظوں کے باوجود ناول کا Villain اکثر ہیرو بن جاتا ہے۔''[۶]

درج بالا اقتباس سے جو بات واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ فیض نے نذیر احمد کے کرداروں کی جس خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے منفی کردار (Villain) ناول میں آگے جا کر ہیرو بن جاتے ہیں۔ بعد کے ناقدین نے فیض ہی کے اس انکشاف کی تشریح، توضیح اور توسیع کرتے ہوئے اس میں اضافہ کرتے رہے۔ یہ فیض کی تنقیدی بصیرت تھی جو نذیر احمد کے کرداروں کی اس پوشیدہ خوبی پر پڑی، جنھیں ناقدینِ ادب یا تو نظر انداز کرتے رہے یا ان کی نظروں سے یہ فنی خوبی اوجھل تھی۔ فیض نے نذیر احمد کے ناولوں کو اس عہد کے دوسرے ناولوں کے ساتھ سماجیاتی تقابل بھی پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں نذیر احمد کے ناول اپنے عہد کے دوسرے ناولوں سے زیادہ سماجی حقیقت نگاری کے قریب ہیں۔ نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کے ناولوں کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

"مولوی نذیر احمد کے مکالموں کا ہر لفظ زندگی اور واقعیت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس لیے ان کے کردار زندہ اور اپنے اعمال کے ذمہ دار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن شرر کے کردار کٹھ پتلیاں ہیں جو لکھنے والے کے اشارے پر چلتے ہیں اور اس کے بغیر ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتے۔"ے

فیض، نذیر احمد کے کرداروں اور مکالمہ نگاری کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کردار ہر لحاظ سے حقیقی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ مکالمہ نگاری کے سلسلے میں انھوں نے نذیر احمد کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے مکالمے حقیقی زندگی سے قریب تر اور واقعیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کے کردار زندہ اور اپنے اعمال کے خود ذمہ داری اٹھانے والے دکھائی دیتے ہیں۔ اب نذیر احمد کے مقابلے میں عبدالحلیم شرر کے کرداروں کا جائزہ لیجیے تو ان کرداروں کے معائب زیادہ ہیں۔ شرر کے کردار کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ ان کردار موم کے گڈے نظر آتے ہیں۔ شرر جب اور جس طرح چاہتے ہیں ان کو اسی طرف موڑ دیتے ہیں۔ ان کے کردار وہ کٹھ پتلیاں ہیں جو ان کے اشاروں پر چلتے نظر ہیں۔ شرر کے کرداروں کی اس خامی کو پنڈت برج نارائن چکبست نے بھی اپنے مضمون "پنڈت رتن ناتھ سرشار" میں واضح کیا ہے کہ شرر کردار ان کے اشاروں پر چلتے اور ان ہی کی زبان بولتے نظر آتے ہیں۔

فیض نے شرر کے بعد نذیر احمد اور سرشار کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ دونوں کرداروں پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ سرشار کے کردار تخیل اور حقیقت کی آمیزش کا بہترین امتزاج ہے۔ ہمارے ناقدینِ ادب نے سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" کے زیادہ تر کرداروں کو سماجی حقیقت نگاری کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے۔۔ ان کے خیال میں "فسانہ آزاد" کے کردار حقیقت سے قریب تر اور لکھنوی سماج کی ہو بہ ہو تصویر پیش کرتے ہیں۔ فیض نے تقلید سے بچتے ہوئے فسانہ آزاد کے کرداروں کو دوسرے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے، جو زیادہ درست اور قابلِ فہم معلوم ہوتا ہے۔ فیض تخیل اور حقیقت کے ملاپ سے تخلیق کردہ ان کرداروں اور ناول میں سماجی حقیقیت نگاری پر ناقدانہ رائے اس انداز میں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"آپ نے انگریزی اخباروں میں مشہور اور معروف چہروں کی بگڑی ہوئی مضحکہ خیز تصاویر دیکھی ہوں گی جنھیں کیری کیچر کہتے ہیں، نقاش چہرے کے اصل خدوخال میں کچھ ایسی افراط و تفریط کرتا ہے کہ چہرے کی ہیئت بہت کچھ مسخ ہو جانے کے باوجود بھی وہی رہتی ہے۔ کچھ اسی نوع کی افراط و تفریط سرشار نے اپنی تصویر میں کی ہے۔ اس تصویر میں عیاش، خالی الذہن امراء کچھ اور بھی زیادہ عیاش دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی مضحکہ خیز درباری محفلیں کچھ اور بھی زیادہ مضحکہ خیز محسوس ہوتی ہیں۔ ان کے خوشامد پسند درباری کچھ اور بھی زیادہ چاپلوس نظر آتے ہیں۔ اسی طرح چست زبان، طباع بھٹیاریاں کچھ ضرورت سے زیادہ خوش گو ہیں، اور شریف گھرانوں کی طرار، منچلی دوشیزائیں ضرورت سے زیادہ طرار ہیں، لیکن اس افراط و تفریط کے باوجود سرشار کی تصویر میں نوابی کے آخری عہد کے خدوخال نمایاں اور زندگی کے مطابق ہیں۔"۸

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

فیض دوسرے ناقدینِ ادب کی طرح فسانۂ آزاد میں لکھنؤ کے زوال پذیر تہذیب و تمدن کی عکاسی اور سماج کی سچی تصویر کشی کی تعریف کی ہے۔ان کا خیال ہے کہ سرشار نے اتنی کامیاب،دل چسپ اور سچی تصویر کشی اس لیے پیش کی ہے کہ وہ اس تہذیب و تمدن اور سماج کا شاہد تھا۔یہ حقیقت پر مبنی عکاسی اسی مشاہدے کا نتیجہ ہے۔سرشار کا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے فسانۂ آزاد میں لکھنؤ کے زوال پذیر سماج کے رسم و رواج اور آداب کا نقشہ بڑی عرق ریزی اور بڑے مفصل انداز میں کھینچا ہے۔فیض نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ایک سماج میں موجود طبقوں کے اچھے برے خواص کو بڑے خوب صورت انداز میں نمایاں کیا ہے۔فیض کے خیال میں یہ سرشار کا اس سماج سے گہری عقیدت کا نتیجہ ہے۔اسی طرح انھوں نے فسانہ آزاد میں انھوں نے لکھنوی سماج کا دوسرا رخ بھی پیش کیا ہے۔ناول میں جہاں غیر حقیقی فضا،کہانی کے واقعات اور کرداروں کے بیان میں مبالغہ آمیزی کو دکھایا گیا ہے۔فیض نے اسے سرشار کا رویہ زوال تہذیب کے استخفاف اور طنز پر محمول کیا ہے۔

خوجی ''فسانۂ آزاد'' کا ایک لافانی کردار ہے۔جو اس زوال پذیر تہذیب کا پروردہ ہے۔سرشار نے خوجی کے کردار کو تخلیق کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کی ہیں۔جس ناقدینِ ادب نے اس کردار کی صفات کو سراہا ہے۔اسی طرح فیض نے بھی اسے سرشار کے طنز کا بہترین مظہر مانتے ہیں۔فیض اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''سرشار کے طنز کا سب سے بڑا مظہر خوجی کا کردار ہے۔بزدل اور بھگوڑا لیکن شیخی خور اور لاف زنی،بدصورت اور بے ڈول لیکن بزعم خود یوسفِ ثانی،خوشامد پسند ،لالچی لیکن بقول خود خوددار اور فقیر صفت،ہوس پرست لیکن ہوس پرستی کے ثمرے سے ناآشنا۔یہ مضحکہ خیز شخصیت تنزل پزیر درباری طبقے کی آخری منزل ہے۔سرشار نے اس شخصیت کو ایک آئینہ کے طور پر استعمال کیا ہے جس میں لکھنؤ کے آخری عہد کے درباری اپنے چہرے کا کوئی نہ کوئی نقش دیکھ سکتے تھے۔''۹

سرشار کے ناول فسانۂ آزاد میں بہت سی خامیوں کے باوجود کچھ ایسی خوبیاں ہیں جو اس کی دائمی شہرت کا باعث ہیں۔ان میں سے ایک خوبی اس کے کرداروں میاں آزاد اور خوجی کی حقیقت پسندانہ عکاسی ہے۔خاص کر خوجی کو سرشار کا شاہ کار مانا جاتا ہے۔خوجی اس ناول کا ایسا کردار جو آزاد سے زیادہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔خوجی ناول کا ایسا لازمہ ہے جسے اگر ناول سے نکال باہر کیا جائے تو شاید فسانۂ آزاد کی ساری دل چسپی ہی ختم ہو جائے۔سید احتشام حسین نے اپنے ایک مضمون ''خوجی ایک مطالعہ'' میں خوجی کے کردار کی نمایاں کی خوبیوں کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے،وہ لکھتے ہیں:

''کبھی کبھی تو خوجی پر غور کرتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسے صرف لکھنؤ کا انسان سمجھنا اس کی عظمت اور آفاقیت کی توہین ہے۔وہ ہر ایسے عہد میں پیدا ہوتا ہے جب اس دور کی صداقت پر شک ہونے لگتا ہے۔وہ شیکسپیئر کو مالسٹاف اور کنگ لیئر کے درباری ظریف کی شکل میں ملا تھا سرونٹیز نے اسے ڈان کویگزوٹ اور رسینکو پانزا کے لباس میں پایا تھا۔سرشار نے اسے خوجی کے بھیس میں ڈھونڈ نکالا اور منشی سجاد حسین نے حاجی بغلول کہ کر پکارا۔وہ ہر دفعہ عاقلوں کی دنیا

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

پر تنقید کرنے کے لیے اٹھتا ہے اور اپنی احمقانہ باتوں سے بہت سی ایسی صداقتوں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے سنجیدگی جس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ہاں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ لکھنؤ اور سرشار خوجی ہی کو جنم دے سکتے تھے۔"[10]

خوجی کی خصوصیت پر سید احتشام حسین نے جو بصیرت افروز ناقدانہ رائے دی ہے اس سے فیض احمد فیض کی خوجی کے بارے میں درج بالا رائے کی توثیق ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں سماجی حقیقت نگاری کو لوگ ترقی پسند تحریک سے جوڑتے ہیں۔ فیض کا تعلق اگرچہ ترقی پسند تحریک سے تھا، مگر انھوں نے اردو ناول میں سماجی حقیقت نگاری کی ابتدا کو ناول کے آغاز سے جوڑا ہے۔ ان کے خیال میں ترقی پسند تحریک کے شروع ہونے سے پہلے اردو ناول میں سماجی حقیقت نگاری کے اعلیٰ نمونے موجود تھے۔ ہمارے ناقدینِ ادب نے نذیر احمد کے جن ناولوں کو درخور اعتنانہ سمجھا فیض کو وہ حقیقت نگاری کے اولین نمونے دکھائی دیے۔ انھوں نے نذیر احمد اور سرشار کو اردو ناول میں سماجی حقیقت نگاری کے اولین نمائندے تسلیم کیا ہے۔ ان کے خیال میں دونوں کی سوچ، مزاج اور مقاصد ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح ماحول اور معاشرت میں بھی تفاوت تھا۔ اس نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نذیر احمد کا مقصد بنیادی طور پر اصلاحی ہے تو سرشار کا تفریحی، نذیر احمد کا مزاج متین اور مفکرانہ ہے تو سرشار کا عین ان کے تخلص کے مطابق، نذیر احمد کا انداز ناقدانہ اور ناصحانہ ہے تو سرشار کا خالص بیانیہ۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نہ صرف ابن الوقت اور فسانۂ آزاد کے مصور اور ان مصوروں کے رنگ اور موقلم الگ الگ ہیں بلکہ خود تصاویر کے موضوع بھی جدا جدا ہیں۔ مولوی نذیر احمد کی سماج دہلی کے شریف سفید پوش گھرانوں سے عبارت ہے تو سرشار کی سماج لکھنؤ کی لاابالی امراء اور ان کے گرد گھومنے والی لاتعداد مخلوق کا مرقع۔ سرشار نے جو تصویر بنائی ہے وہ کچھ حقیقی ہے کچھ خیالی۔"[11]

عبدالحلیم شرر اردو فکشن کا وہ معتبر نام ہے جس کے فن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اردو ناول کی تاریخ میں ان کے مقام و مرتبے کو ہمیشہ افراط و تفریط کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ہمارے نقاد ہمیشہ اس بات پر مصر ہے کہ شرر کے تاریخی ناولوں میں کئی ایک نقائص ہیں۔ فیض بھی ان ہی ناقدین میں شامل ہیں۔ فیض، شرر کے تاریخی ناول نگار اور ان کے ناولوں کو تاریخی ناول ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایسے کئی ایک وجوہات ہیں جن کی بنا پر شرر کے تاریخی ناول خام نظر آتے ہیں۔ شرر کے ناولوں کے مطالعے سے جو پہلی بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ان ناولوں سے کسی بھی تاریخی عہد کو سمجھنے میں مدد نہیں ملتی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ شرر کا منتہائے مقصود کون سا زمانہ ہے؟

دوسری بات یہ کہ ان کے تاریخی ناولوں کے کرداروں سے واقفیت کے باوجود یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ کردار تاریخ کے کس زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کردار سے متعارف ہو جانے کے بعد اصل شخصیت کا تصور ذہن میں پوری طرح ابھرتا ہی نہیں۔ اسی طرح ناول میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

کسی تاریخی عہد یا کسی خاص ملک کی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ شرر جب منظر کشی کرتے ہیں تو اس میں بھی مبالغہ آمیز حد تک حالات اور واقعات پیش کر دیتے ہیں۔ان کے بیشتر تاریخی کردار فرضی ہوتے ہیں۔ جن اصلی تاریخی شخصیتوں کا ذکر ان کے ناولوں میں آیا ہے، جیسے صلاح الدین ایوبی، حسن بن صباح اور رچرڈ وغیرہ ان کرداروں کی اصل محاسن اور ان کی شخصیت کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی۔ کوئی جری بہادر ہے تو اس کی جرأت اور شجاعت کے قصے قاری کے سامنے رکھ دیے جاتے ہیں۔اسی طرح اگر کوئی کردار بد طینت اور بد فطرت ہے تو اس کے مکر و فریب، دغا اور چال بازی کی تصویریں دکھانا مقصود ہے۔ لہٰذا یہ وہ فنی معائب اور کوتاہیاں ہیں جن کی وجہ سے کسی مخصوص عہد، کسی خاص خطۂ زمین کی تاریخی و جغرافیائی اور کسی اہم تاریخی شخصیت کی انفرادیت کی تصویر کشی میں ناکام رہا ہے۔ یہ فنی معائب کی موجودگی میں کسی تاریخی ناول کا تصور تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ان فنی معائب کی وجہ سے کسی تاریخی ناول کا استناد نہ صرف مشکوک ہو جاتا ہے بلکہ اس سے ناول کا فن بھی مجروح ہوتا ہے۔

تاریخی ناول نگاری ہر دو لحاظ سے مشکل کام ہے۔ایک تو اس میں جو اصل تاریخی واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔اس میں ذرا سی اونچ نیچ اس کی اصلیت کو بگاڑنے کی وجہ بن سکتی ہے۔دوسری بات یہ کہ ناول کے فن کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔اسی لیے تاریخی ناول نگار کو دونوں چیزوں پر پوری عبور رکھنا ضروری ہے۔ان کو ناول کے فنی اجزا کا بھی ہر طرح سے خیال رکھنا ہوتا ہے اور تاریخی واقعے کو بھی بغیر کسی حک و اضافے کے پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ناول میں پلاٹ کے بعد جو چیز اس کی ساخت و پرداخت کے لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ کردار نگاری ہے۔ ناول کے کردار حقیقی زندگی کے عکاسی ہوں۔ وہ ان اوصاف سے متصف ہوں جو عام مشاہدے میں آتے ہیں۔تاریخی ناول نگاری کے لیے کرداروں کا انتخاب اس امر کا متقاضی ہے کہ کردار جن اوصافِ حمیدہ اور رذیلہ سے متصف ہوں، بالکل وہی انداز اختیار کرنا ضروری ہے۔ فیض نے یہاں شرر کے تاریخی کرداروں میں موجود نقائص کچھ اس طرح بیان کیے ہیں کہ ہر کردار کو ایک جیسے طریقے سے پیش کرنا، شخصی لحاظ سے تمام کرداروں کے اوصاف ایک جیسے ہونا اور گفت گو میں بھی یکسانیت کی جھلک صاف طور پر ظاہر ہونا، یہ شرر کی کردار نگاری میں موجود وہ بڑے عیوب ہیں جو تقریباً ان کے ہر ناول میں نظر آتے ہیں۔ فیض کے بقول ان کے تمام کردار اس طرح دکھائی دیتے ہیں جیسے وہ مختلف اوقات میں ایک شخص کی مختلف تصویریں ہوں۔اس بارے میں ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"وہ ہر بات ایک ہی لہجے اور ایک ہی انداز سے کہتے ہیں۔ایک ناول نویس میں یہ خوبی کمزوری میں بدل جاتی ہے۔اسے ہر قسم کے اشخاص، ہر طرح کے کردار پیش کرنے ہوتے ہیں۔ان کی شخصیت اظہار واقعات سے زیادہ ان کی گفتگو اور بول چال کا ذریعہ ہوتا ہے۔اگر وہ سب کے سب ایک ہی زبان میں اور ایک ہی طریقے سے

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

گفتگو کریں تو ان کے شخصی امتیازات بہت حد تک فنا ہو جاتے ہیں۔ شرر میں یہی بڑی کمزوری ہے۔ وہ بول چال کو مختلف سانچوں میں نہیں ڈھال سکتے۔ ان کے سب کردار ایک ہی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور ان کی اپنی زبان نہیں قصہ گو کی زبان ہے۔"[۱۲]

تاریخی ناول نگاری میں عبدالحلیم شرر وہ خوش قسمت ناول نگار ہیں جن کے ناولوں میں تاریخ اور فن کے حوالے سے کئی ایک سقم موجود ہونے کے باوجود پھر بھی اس کثرت اور ذوق و شوق سے ان کے ناول پڑھے جاتے ہیں جو بڑے اچھنبے کی بات ہے۔ یہی ناول شرر کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بھی ہیں۔ فیض نے اس کی تین وجوہات بیان کی ہیں۔

ایک تو یہ کہ مسلمانوں کو اپنی ہستی کا احساس نیا نیا ہوا تھا۔ اسی طرح کے رومانی قصے زندگی کی تلخیوں کو بھلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ عہدِ رفتہ کی فتوحات کے تذکرے سے جذبۂ خودداری پیدا ہوتا ہے اور دل کو سکون اور اطمینان مہیا ہوتا ہے کہ چلو ہم نہ سہی ہمارے آباؤاجداد تو بہادر تھے۔ تیسری وجہ یہ کہ دوسری قوموں کی برائیوں کے مشتہر کرنے سے ذہنی طور پر موجودہ شکستوں کا انتقام لیا جاتا ہے۔

فیض کی تنقید کا یہ رخ دیکھ کر لگتا ہے کہ شرر اور سرشار کے معرکے میں جو لوگ پہلے سے ایک سوچ لے کر کودے تھے جیسے حکیم برہم گورکھ پوری، چکبست اور پریم چند وغیرہ جن کی تنقید کا مقصد و محور ایک کا درجہ گھٹانا اور دوسرے کا بڑھانا تھا۔ یہ تنقید کی وہ اکہری سطح ہے جو مخاصمت پر مبنی، بے جا طرف داری اور مناظراتی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ تو کیا فیض بھی اسی ڈگر پر چل رہے تھے جو ان کے متقدمین کا تھا؟ فیض کا تنقیدی رویہ یقیناً اس اکہری سطح اور باہمی مخاصمت سے کچھ حد تک پاک ہے۔ وہ تنقید کی اس نہج پر چلنے سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہاں البتہ شرر اور پریم چند کے ضمن میں ان کی تنقیدی آرا کچھ حد جارحانہ ضرور ہے۔ فیض کو شرر کے ہاں جو سقم نظر آتے ہیں ان کا برملا اظہار کرنے کے بعد وہ شرر کے کچھ خصائص بھی گنواتے ہیں۔ یہاں فیض کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جو ان کے معتدل تنقیدی رویے، دیانت داری اور غیر جانب داری پر دلالت کرتا ہے:

"شرر کی کہانیوں میں ایک خاص قسم کا وفور، ایک جوش، ایک روانی ہے جس کی وجہ سے کہانی کی دل چسپی آخر تک قائم رہتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شرر کی کہانیوں میں خالص فنی خوبیاں بہت کم ہیں۔ مثلاً ان میں کفایت نام کو نہیں۔ کئی واقعات محض خوب صورتی کے لیے داخل کر دیے گئے ہیں۔ مناظرِ قدرت کا بیان عام طور سے ایک مستقل مضمون کی صورت اختیار کر لیتا ہے جسے آسانی سے حذف کیا جا سکتا ہے۔ واقعات کی کڑیاں ڈھیلی ہوتی ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود کہانی بے جان اور بے مزہ نہیں ہونے پاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرر اول تو واقعات کی حرکت میں فرق نہیں آنے دیتے، دوسرے وہ ہر کہانی میں دو چار الجھاؤ اس قسم کے رکھ دیتے

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

ہیں کہ بظاہر ان کا کوئی حل نظر نہیں آتا اور پڑھنے والے کی دل چسپی قائم رہتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرر ناول نویس نہیں قصہ گو ہیں اور قصہ گوئی میں انھیں کافی مہارت حاصل ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ قصہ گو ہمیشہ واقعات کو خارجی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کا مقصد زندگی کی تصویر اتارنا یا واقعات کی تہ تک پہنچنا نہیں بلکہ ان کا خارجی تعلق اور تسلسل ظاہر کرنا ہے۔"[۱۳]

تنقید کا منصب اور ایک تنقید نگار کا فرض ہے کہ وہ جب بھی کسی فن پارے کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھتا ہے تو اعتدال، انصاف اور دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ترازو کا پلڑا ایک طرف جھکانے سے تنقید کے منصب سے روگردانی کے مترادف ہے۔ محاسن اور معائب دونوں کا کھل کر اظہار کرنا چاہیے۔ درج بالا اقتباس کو پڑھنے کے بعد اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ فیض تنقید کی اکہری سطح، تعصب اور جانب داری سے بری الذمہ نظر آتے ہیں۔ فیض نے شرر کے معائب کا اگر کھل کر اظہار کیا ہے تو محاسن کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انھوں نے شرر کی خوبیوں کو بیان کرنے میں بھی پوری دیانت داری سے کام لیا ہے۔ فن پارے کے ہر پہلو پر نظر رکھنا تنقید نگار کے متوان رویے کا احساس دلاتا ہے۔ فیض نے شرر کی شہرت بحیثیت تاریخی ناول نگار کے متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے ناول فنی لحاظ سے کمزور ضرور ہیں مگر ان میں ایک خاص قسم کا چٹخارہ اور دل کشی ہے جو قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہیں۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"شرر کی اہمیت یہی ہے۔ ان کی کتابیں اردو نثر کا آخری زینہ نہ سہی پہلا زینہ ضرور ہیں۔ ان کے مطالعے سے جمالیاتی حس کی تسکین نہ ہو لیکن یہ حس پیدا ضرور ہوتی ہے۔ ان کے ناولوں میں فنی خوبیاں زیادہ نہیں لیکن ایک چٹخارہ ہے، ایک دل کشی، ایک کیفیت اسے مطالعے کے ابتدائی زمانہ میں فنی خوبیوں سے کم قیمت نہیں سمجھنا چاہیے۔"[۱۴]

پریم چند ہمارے اردو فکشن کی تاریخ کا معتبر نام ہے جس نے اردو ناول اور افسانے کو ایک ایسی نہج پر ڈال دیا جس کی تقلید آنے والے ناول نگار اور افسانہ نگار ایک عرصے سے کرتے آرہے ہیں۔ پریم چند کے مقام و مرتبے کے تعین میں ہمارے ناقدینِ ادب ہمیشہ افراط و تفریط کے شکار نظر آتے ہیں۔ بلا کم و کاست یہ بات درست ہے کہ پریم چند اردو ادب کے بڑے اور مشہور فکشن نگار ہیں۔ وہ پہلے ادیب ہیں جنھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں ہندوستانی سماج خاص کر نچلی ذات کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ وہ ہندوستانی نچلے طبقے کے جذبات کے ترجمان ہیں۔ انھوں نے فکشن خاص کر مختصر افسانے کے لیے ایسی راہ متعین کی جو دوسرے بہت سے افسانہ نگاروں سے الگ اور منفرد ہے۔ اس ضمن میں ہمارے ناقدینِ ادب نے اپنے منصب سے انصاف نہیں کیا۔ پریم چند کے حوالے سے ان کی تنقید تعریف و توصیف زمرے میں آتی ہے۔ جس کی وجہ سے انھیں وہ مقام نہیں دیا گیا جو اصل اور حقیقت پر مبنی ہو۔

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

پریم چند کے فن کے متعلق فیض نے بھی اپنی رائے کا اظہار آغا عبدالحمید کے ساتھ ایک ریڈیائی مصاحبے میں کیا ہے۔ بعد میں یہ مصاحبہ تحریری صورت میں ''میزان'' میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے بے جا تعریف و توصیف سے کام نہیں لیا۔ یہ مضمون ان کی تنقیدی بصیرت کی پختگی، تجزیاتی ذہن اور ژرف بینی کا بین ثبوت ہے۔ مضمون کے پڑھنے سے ہمارے ان ناقدوں کے غیر ذمہ دارانہ رویوں سے بھی واقفیت ہوتی ہے جو تنقید کے اصولوں سے سراسر انحراف کرتے ہیں۔ پریم چند پر آغا عبدالحمید کے مضمون پر اس ادبی مناظرے میں اپنی رائے دیتے ہوئے فیض کہتے ہیں:

''بھئی چند روز ہوئے وہ تمھارا پریم چند پر لکھا ہوا مضمون پھر دیکھا تھا وہی جو ''مجلس'' میں چھپا ہے۔ تم نے تو اس میں پریم چند کی اتنی تعریف کی ہے کہ ٹالسٹائی ،دوستووسکی وغیرہ وغیرہ سب ہیچ معلوم ہونے لگے ہیں۔ پریم چند میں دو چار خوبیاں سہی۔ لیکن ناول کے میدان میں ایسے تیس مار خان تو وہ ہر گز نہیں تھے۔''۱۵

فیض کے مطابق کچھ نقادوں نے بغیر سوچے سمجھے ان کا تقابل دنیا کے عظیم فکشن نگاروں جیسے لیوٹالسٹائی (Leo Tolstoy ۱۸۲۸ء۔۱۹۱۰ء)اور فیدور دوستوفیسکی(Fyodor Dostoevsky ۱۸۲۱ء۔۱۸۸۱ء) سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ بعض ناقدین تو انھیں درج بالا فکشن نگاروں سے برتر بھی ثابت کرتے ہیں۔ پریم چند کے ہاں جتنی فنی کمی کوتاہیاں ہیں ہمارے نقادوں کو یا تو وہ نظر نہیں آئیں یا جان بوجھ کر ان کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے پریم چند کے ہاں جنس کا موضوع ہے۔ پریم چند جنس کے موضوع پر قلم اٹھاتے وقت کیوں ہچکچاہٹ کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس بارے میں فیض کی رائے ملاحظہ کیجیے:

''جنسیات ہی کو لے لو انھوں نے ہر جگہ اس موضوع سے پہلو تہی کی ہے۔ ان کے یہاں جب بھی ایک مرد و عورت کو آپس میں محبت ہوتی ہے تو اس میں وہی طہارت اور تقدیس اور روحانیت اور جانے کیا کیا الا بلا شامل ہوتے ہیں جنھیں بیس بائیس سال کی عمر تک ختم ہو جانا چاہیے۔ پریم چند کے کرداروں کی باہمی محبت وہی نوخیز جوڑے کی سی محبت ہوتی ہے جس پر روحانیت اور آئیڈیلزم کا ملمع چڑھا ہوتا ہے۔''۱۶

اس ضمن انھوں نے پریم چند کے ناول ''چوگان ہستی'' کے کرداروں ''صوفیہ'' اور ''رونے سنگھ'' کی مثال دی ہے جو ہر معاملے میں حد درجہ پختہ کار ہیں مگر محبت کے معاملے میں حد درجہ چغد نظر آتے ہیں۔ اس طرح ان کی محبت بچوں کی محبت نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں وہ پریم چند پر طنز کے نشتر چلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فنی طور پر انسانی جسم اور اس کی ازلی خواہشات کے متعلق پریم چند کو یا تو کچھ معلوم نہیں ہے یا وہ اس کے متعلق کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ حالاں کہ کھانے پینے کے بعد جنسیات کا مسئلہ انسانی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ ہے۔ مثال کے طور پر ''چوگان ہستی'' ہی کو لے لو۔ صوفیہ اور رونے سنگھ کی محبت بالکل بچوں کی محبت ہے۔ لیکن وہ دونوں باقی معاملات میں کافی پختہ کار ہیں۔''۱۷

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

پریم چند کی کردار نگاری کے متعلق فیض کا رویہ بھی دوسرے ناقدین سے مختلف ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پریم چند کو کردار نگاری میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ یہ بات سچ بھی ہے کہ پریم چند نے کئی ایک لازوال کردار تخلیق کیے۔ فیض ان کے کرداروں کے محاسن کو مانتے بھی ہیں، مگر فیض یہ ماننے کو بالکل تیار نہیں ہے کہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔ ان کے خیال میں پریم چند کے کرداروں میں معائب بھی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا نقص وہ ٹائپ کردار ہیں جو ہمیں پریم چند کے ہاں نظر آتے ہیں۔ فیض کے مطابق ان کے زیادہ تر کردار مثالی ہیں۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"پریم چند کو کردار نگاری میں خاصی مہارت تھی۔ لیکن وہ اس میں یکساں طور پر کامیاب نہیں ہوئے۔ ان کے زیادہ تر مرد و زن مثالی یا (Typical) کردار ہیں۔ مثلاً ان کے کئی ناولوں اور اکثر افسانوں میں آپ کو ایک ہی قسم کا امیر زمیندار دکھائی دے گا جو انگریزی طرح سے رہتا ہے۔ حکام کی اطاعت اپنا ایمان خیال کرتا ہے۔ رعیت کا قطعاً خیال نہیں رکھتا۔ ایسے اور بھی کردار ہیں جن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں ذرا بھی انفرادیت یا جان ہو۔"۱۸

پریم چند کے نسوانی کرداروں میں بھی انفرادیت نہیں ہے۔ ان کے نسوانی کردار بھی ایک طرح سے مثالیت پسندی کے شکار نظر آتے ہیں۔ انھوں کے نسوانی کردار حقیقی زندگی کے برعکس اصولوں کے پاسداری کرتے ہوئے جان قربان کا جذبہ رکھتے ہیں۔ پھر چاہے یہ اصول غلط اور حقیقی زندگی سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں۔ فیض اس بات پر بھی سخت معترض ہیں کہ پریم چند کے ہاں مذہب، سماج اور بعض اصولوں کو بغیر سوچے سمجھے مان لینا، اسی طرح بغیر کسی وجہ کے قربانی دینا اور دنیاوی زندگی کی خوشیوں کو تج کر تارک الدنیا ہونا فضول سمجھتا ہے۔ اس بارے میں فیض لکھتے ہیں:

"عورت کے متعلق پریم چند کا نظریہ کہ ان کے نزدیک مثالی عورت وہ ہے جو کسی اصول کے لیے اپنی جان تک قربان کر دے۔ خود وہ اصول غلط ہی کیوں نہ ہو۔"۱۹

آغا عبدالحمید جب دورانِ مصاحبہ پریم چند کو نذیر احمد اور سرشار پر فوقیت دیتے ہیں اور پریم چند کی کردار نگاری کو مذکورہ دونوں ناول نگاروں سے برتر اور بہتر تسلیم کرتا ہے تو فیض معترض ہو کر کہتے ہیں:

"اسے ناانصافی نہیں ظلم کہتے ہیں۔ اگر نذیر احمد کے ناول اول درجے کے نہیں ہیں۔ اگر کلیم، ظاہر دار بیگ، ابن الوقت اور امراؤ جان ادا جیتے جاگتے کردار نہیں ہیں کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے کہ پریم چند مرحوم نے ان سے بڑھ کر کیا تیر مارا ہے۔"۲۰

فیض یہ اعتراض کرتے نظر آتے ہیں کہ پریم چند فکشن کی تخلیق کے فن سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ دل کش قصے لکھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ لیکن ایک بات جو ان کے فن پاروں میں بری طرح کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ان کے ہاں فنی عیوب اور تکنیکی خامیاں بہر صورت موجود ہیں جو ان کی تخلیقات کو عظمت بخشنے اور انھیں عظیم فکشن نگار کہلوانے میں سدِ راہ ہیں۔ اس ضمن میں فیض لکھتے ہیں:

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

"ان کو ناول اور افسانے کے پلاٹ کی تعمیر میں کوئی دسترس نہیں۔ وہ بہت سے سوال اٹھاتے ہیں لیکن ان کا جواب دینے کی بجائے آنکھ بچا جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سب کچھ درست ہے تو پھر پریم چند کی کیا عظمت باقی رہ جاتی ہے؟"[۲۱]

پریم چند کے فن کو ہمارے ناقدینِ ادب نے ہر لحاظ سے جانچا اور پرکھا ہے۔ قصہ پن کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور زبان و بیان کے معاملے میں ان کی انفرادیت تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے کردار اور مکالمے کہانی اور ماحول کے حسبِ حال معلوم ہوتے ہیں۔ دیہات کی زندگی کی ایسی سچی عکاسی جیسے انھوں نے کی ہے کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی۔ بلاشبہ ان کو دیہاتی زندگی اور اس کے مسائل کی صحیح عکاسی کرنے والے نمائندے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب کہ پریم چند کی یہی خوبی فیض کو خامی نظر آتی ہے۔ فیض اس بارے میں رقم طراز ہیں:

"نہ جانے پریم چند کو بیٹھے بٹھائے دیہاتی زبان استعمال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ عام طور سے ان کی دیہاتی زبان صرف اتنی ہے کہ حضور کو ہجور اور مشکل کو مسکل لکھ دیا جائے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی دیہاتی ایک ہی تقریر میں ایک فقرہ دیہاتی زبان میں بولتا ہے اور دوسرا فقرہ لکھنوی اردو میں۔"[۲۲]

فیض کے خیال میں دیہاتی ماحول کی عکاسی میں دیہاتی زبان کا استعمال ایک حد تک قابلِ قبول ہو سکتا ہے لیکن اس میں فنی لوازمات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، ورنہ یہ عیب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ انھوں نے پریم چند کے بارے میں یہ تاثر بھی پیش کیا ہے کہ وہ کہانی کو بہتر طور پر پیش کرنے میں کیوں ناکام رہتے ہیں۔ اس بارے میں اس کی رائے کچھ یوں ہے:

"ان کے ناول میں کہانی تو ہوتی ہے لیکن نہ تو وہ اس میں توازن قائم رکھنے کا خیال رکھتے ہیں نہ ڈھنگ کا پلاٹ بنا سکتے ہیں۔ محض کہانی بیان کر لینا تو کوئی ایسا کمال نہیں ہے۔ جب تک اس میں ایک ارادی صنعت، ایک جچا تلا ڈیزائن یا نقشہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ پریم چند کے ناول اس لحاظ سے ڈھیلے اور بے ڈول سے دکھائی دیتے ہیں۔"[۲۳]

فیض کو پریم چند کے ناولوں کے پلاٹ پر سب سے زیادہ اعتراض ہے۔ ان کے خیال میں پریم چند کو کہانی لکھنے میں مہارت حاصل تھی مگر اس کہانی کو ایک بہترین پلاٹ میں تبدیل کرنے کے فن سے عاری تھے۔ یہی وہ خامی ہے جس کا فیض اعادہ بار بار اپنے تنقیدی مضامین میں کرتے ہیں۔ پریم چند کے ناول کی دیگر فنی خوبیاں اس خامی پر غالب آجاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ناول دیگر ناول نگاروں سے زیادہ ناول کے فن پر پورے اترتے ہیں۔ فیض اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"انھیں کہانی لکھنے کا ڈھب ضرور ہے۔ پلاٹ بُننے کا زیادہ ملکہ نہیں ہے۔ جگہ جگہ ناول غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی واقعات کی رفتار اتنی دھیمی پڑ جاتی ہے کہ پڑھنے والے کو الجھن ہونے لگتی ہے۔ ان کی ساری تکنیک میں کوئی اینچ، کوئی اچھوتا پن نہیں ہے۔ لیکن مولوی نذیر احمد کی طرح ان کے ناولوں کی دوسری افسانوی خوبیاں فن کی ان کمزوریوں کی بہت حد تک تلافی کر دیتی ہیں۔"[۲۴]

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

فیض کا تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا۔اس تحریک کے اصل مدعا و مقصد کو چھوڑ کر صرف تنقید کو مارکسی دبستان تک محدود کرنے،ادبی جمالیات کو مجروح کرنے اور فیض کی اس تحریک سے شدید نظریاتی وابستگی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس اقتباس کو غور سے پڑھیں:

"مجھے پریم چند پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے افسانوں میں کھلم کھلا وعظ شروع کر دیتے ہیں یوں کوئی تو آرٹ پروپیگنڈے سے خالی نہیں ہوتا۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک ناول یا افسانے پر دیہات سدھارنے کے پمفلٹ کا شبہ ہونے لگے۔"۲۵

فیض کے مذکورہ بالا مصاحبے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر شفیق اشرفی لکھتے ہیں:

"پریم چند پر ان کی گفت گو غیر جذباتی اور واضح ہے اور وہ وہاں ترقی پسند جذبات کے بجائے فکر کو ترجیح دیتے ہیں۔"۲۶

فیض کا پریم چند کے حوالے سے یہ مصاحبہ کسی بھی طور سے غیر جانب دارانہ،بے لاگ اور بے باک نہیں بلکہ سراسر جارحانہ انداز کا حامل نظر آتا ہے۔پریم چند کے ہاں ان کو کچھ بھی ٹھیک نظر نہیں آتا۔ان کے فن میں ہر طرح کی خامیاں اور نقائص ہیں۔ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں صرف پریم چند کے معائب پر نظر رکھی گئی ہے۔انھوں سے پریم چند کے فنی محاسن کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں۔فیض نے جہاں پریم چند کی خامیوں کو طشت از بام کیا ہے وہاں انھوں نے ان کی ناول نگاری کے محاسن کو بھی بیان کیا ہے۔پریم چند کی ناول نگاری کے خصائص کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منشی پریم چند نے پہلی دفعہ اردو ناول میں زیادہ جمہوری واقعیت سے کام لیا اور جس طرح حالیؔ اور ان کے رفقاء نے اردو شاعری کو نوابین کے درباروں سے نکال کر عام سفید پوش شرفاء کی محفل میں لا بیٹھایا تھا۔اسی طرح پریم چند اردو ناول کو سفید پوش شرفاء کی بیٹھکوں میں سے نکال کر دیہات کو چوپالوں میں لے گئے۔ان کے ناولوں کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ انھیں افسانوی مسالہ یعنی اپنے کرداروں اور ان کے باہمی تعلقات پر کافی گرفت حاصل ہے وہ ان کے جذباتی،سماجی اور جسمانی آداب واطوار سے بالکل مکمل نہ سہی لیکن کافی حد تک واقفیت اور بھرپور ہمدردی رکھتے ہیں۔اس لیے افسردہ کسانوں یا نچلے طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تحریروں میں وہ اجنبیت اور کچا پن نہیں پایا جاتا جو بعد کے بعض نوجوان لکھنے والوں کی تحریروں میں خاصا نمایاں ہے۔اور تیسری خوبی یہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے کرداروں کے بہت ہی قریب ہیں اسی طرح وہ اپنے پڑھنے والوں سے بھی بہت قریب ہو بیٹھے ہیں۔ہمارے بہت سے نوجوان لکھنے والے اپنی تحریروں میں اپنی ذات کو سب سے آگے رکھتے ہیں اور باقی ساری دنیا کو پیچھے۔پریم چند میں یہ بات نہیں ہے یہ Self-Consciousness یا اتراہٹ انھیں چھو کر بھی نہیں گئی۔اگرچہ ان کی شگفتہ اور متین شخصیت ان کے لفظ لفظ سے پھوٹ پڑتی ہے۔"۲۷

بہ استثنائے اس مصاحبے کے کل ملا کر فکشن کو حوالے سے فیض کے تنقیدی مضامین گہری تنقیدی بصیرت،ناقدانہ سوچ،فنی پختگی اور کچھ حد تک غیر متعصبانہ انداز کی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔فیض کی تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

"بحیثیتِ نقاد فیض کا اسلوب ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی کا مظہر ہے۔ میانہ روی، صلح پسندی، انتہاپسندی سے پرہیز اور رائے کے اظہار میں افراط و تفریط سے گریز اور بحیثیتِ مجموعی مزاج کا دھیما انداز یہ سب میزان کے مقالات کے اسلوب سے عیاں ہیں۔ انھوں نے اپنے موقف کو قطعی مگر منطقیانہ استدلال سے پیش کیا۔ انھوں نے دلائل کا سہارا لیا، جارحانہ انداز نہ اپنایا حالاں کہ وہ اس زمانے میں لکھ رہے تھے جب تحریک اعتراضات کا ہدف تھی۔ لیکن انھوں نے صرف اپنی ذات کے لیے تیقین آمیز یا دشنامی اسلوب نہ اختیار کیا، نہ ہی دلیل پر فقرہ بازی کو ترجیح دی، صرف ٹھنڈے ٹھار اسلوب میں بات کی۔"۲۸

بحیثت نقاد فیض احمد فیض کی تنقید کے بارے میں ڈاکٹر سید شفیق احمد اشرفی (۱۹۶۲ء) رقم طراز ہیں:

"ان کا تنقیدی نظریہ ابتدا میں بہت زیادہ واضح نہیں تھا لیکن جیسے جیسے ان کا ذہنی شعور ترقی کرتا رہا اور مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی رہی اسی حیثیت سے ان کے خیالات میں بھی زیادہ پختگی اور تیقن پیدا ہوتا گیا۔"۲۹

آگے وہ فیض کی تنقیدی بصیرت اور ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کے مضامین کے تجزیے کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے مضامین میں نظریاتی مباحث کو چھیڑا ہے اور مضامین نظری اور عملی تنقید پر محیط ہیں اور اس تنقید کو بندھے ٹکے اصولوں سے الگ رکھا ہے۔ انھوں نے ادب و فن کے نظریاتی بحث جابہ جا کی ہے اور لسانیات اور فن کے ترقی پسند نظریے سے فائدہ اٹھایا ہے جس سے فیض کی تنقید کو نظریاتی تنقید کہنا آسان ہے۔"۳۰

فیض احمد فیض کا شمار اردو کے سر برآوردہ شعرا میں ہوتا ہے۔ اردو شاعری میں اقبال کے بعد ان کا مقام و مرتبے کا زمانہ معترف ہے۔ ہم عصر شعرا میں ان کو تفوق حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی تنقیدی بصیرت بھی لائق صد تحسین ہے۔ فیض انگریزی ادبیات کے معلم تھے۔ ادب کے حوالے سے وہ وسیع مطالعہ اور صائب رائے رکھتے تھے۔ ادب کے ساتھ عمرانیات، سیاسیات اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ فیض نظریاتی طور پر ترقی پسند تحریک سے جڑے ہوئے تھے۔ ترقی پسند تحریک کے سر گرم اراکین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ صرف اس تحریک سے وابستہ نہیں تھے بلکہ اس کی ترویج و اشاعت میں پیش پیش بھی تھے۔ ان کی نظریاتی وابستگی، وسیع مطالعے اور استدلالی طرزِ اظہار نے اردو تنقید کو اچھی خاصی وسعت دے دی۔ ان کے ان تنقیدی مضامین سے نہ صرف ترقی پسند اردو تنقید بارآور ہوئی بلکہ اردو فکشن کو بھی نئے فکری زاویے میسر آگئے۔ انھوں نے تنقید کی طرف بہت کم توجہ دی۔ انھوں نے فکشن کے متعلق جو مضامین لکھے ہیں وہ آٹے میں نمک کے مصداق ہیں، مگر جو بھی لکھا معیار کے لحاظ سے اردو فکشن کی تنقید میں اضافے کا باعث بنا۔

حوالہ جات:

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، فیض تنقید کی میزان پر، مشمولہ: ادبیات فیض نمبر، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، شمارہ ۸۲، جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۹۲۔۹۳

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

۲۔ فیض احمد فیض، میزان، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۶

۳۔ ایضاً ص ۲۴۱

۴۔ ایضاً ص ۲۰۶

۵۔ ایضاً، ص، ۲۰۷

۶۔ ایضاً ص ۲۰۷۔۲۰۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۳۱۔۲۳۲

۸۔ ایضاً، ص ۲۱۶۔۲۱۷

۹۔ ایضاً ص ۲۲۱

۱۰۔ احتشام حسین، سید، ادب اور سماج، مشمولہ ''مجموعہ سید احتشام حسین (جلد اول)''، مرتبہ: احمد سلیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵، ص ۲۰۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۱۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۳۱

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔۲۳۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۳۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۴۱۔۲۴۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۴۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۳۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۴۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔۲۳۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔۲۴۶

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۵۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۱۰۔۲۱۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۴۶

۲۶۔ سید شفیق احمد اشرفی، ڈاکٹر، فیض احمد فیض بحیثیت نقاد، نصرت پبلشر، لکھنؤ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۲

۲۷۔ فیض احمد، فیض، میزان، ص ۲۰۹۔۲۱۰

۲۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر۔ مضمون مذکور، ص ۹۸

۲۹۔ سید شفیق احمد اشرفی، ڈاکٹر، فیض احمد فیض بحیثیت نقاد، ص ۷۳

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۰۱

References in Roman Script:

1. Saleem Akhtar, Dr, Faiz Tanqeed Ki Meezan par, mashmoola: Adabiyat Faiz Number, Islamabad, Academy Adabiyat Pakistan, Shumara 82, January ta March 2009, pp92-93
2. Faiz Ahmad Faiz, Meezan, Karachi, Urdu Academy Sindh, 1987, pp206

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
December 02, 2025

3. Aizan, pp241
4. Aizan, pp206
5. Aizan, p207
6. Aizan, pp207-208
7. Aizan, pp231-232
8. Aizan, pp216-217
9. Aizan, p221
10. Ehteshan Hussain, Sayed, Adab aur Samaj, mashmoola: Majmooa Sayed Ehtesham Hussain (Jild Awwal), Murattaba: Ahmad Saleem, Lahore, Sang e Meel Publicatiom, 2015, p207
11, Faiz Ahmad Faiz, Meezan, p216
12. Aizan, p231
13. Aizan, pp229-230
14. Aizan, p235
15. Aizan, p236
16. Aizan, pp241-242
17. Aizan, p242
18. Aizan, p239
19. Aizan, p243
20. Aizan, pp237-238
21. Aizan, p252
22. Aizan, p245-246
23. Aizan, p250
24. Aizan, pp210-211
25. Aizan, p246
26. Shafiq Ahmad Ashrafi, Sayed, Dr, Faiz Ahmad Bahasiyyat e Naqqad, Lakhnow, Nusrat Publishers, 1993, p102
27. Faiz Ahmad Faiz, Meezan, pp209-210
28. Saleem Akhtar, Dr, Faiz Tanqeed ki Meezan par, p97
29. Shafiq Ahmad Ashrafi, Sayed, Faiz Bahasiyyat e Naqqad, p73
30. Aizan, p101
31. M. Khalid Fayyaz, Alag Vision Juda Tareekh, Faisal Abad, Misaal Publishers, 2025, p14

OPEN ACCESS
CC BY